ڈاکٹر ناصر رانا

ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کوالٹی ایشورنس، گورنمنٹ دیال سنگھ کالج، لاہور

پاکستان کا لسانی جغرافیہ

Dr Nasir Rana

Director, Research and Quality Assurance, Govt. Dial Singh College, Lahore

Linguistic Map of Pakistan

Indus civilization was spread over a vast geographical region from the north eastern mountains of Afghanistan to the coast of Makran, Punjab, Sind and South Indian areas up to Gujrat. It was one of the world's first urban civilizations which was flourished around the Indus river basin extended into the Ghaggar- HakRa river valley and in upper adjacent to the Ganges-Yamuna plains about 5000 years back. This area is the home of Dravidian languages. The Punjabi, Sindhi and Brahvi of Pakistani languages come from of Dravidian language family. Dravidian grammatical influence, professions' names, social customs and places names suggest that the Dravidian languages were once spoken more widely across the area. This article expresses views on the influence and origin of the language spoken by the ancestors of the civilization.

وادی سندھ کی تہذیب دریائے گھاگرا کے آر پار شمال میں گنگا جمنا دوآب تک؛ ساحل مکران سے مشرقی افغانستان تک اور جنوب میں مہاراشٹر کے علاقے دائم آباد تک پھیلی ہوئی تھی۔تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ مربع کلومیٹر پر محیط یہ علاقہ اپنی ہم عصر: مصر، بابل ونینوا اور چینی تہذیبوں میں سب سے وسیع تھا۔(۱)اس کے عروج کی کہانی اب کسی عمرانی اور لسانی ماہر سے پوشیدہ نہیں رہی۔اس قدیم تہذیب کے آخری دور میں جو زوال آیا وہ صرف شہری بستیوں کی تباہی کا باعث بنا جب کہ مضافاتی اور دیہی آبادی اپنی رہِ رِیت اور روایتی زندگی کے ساتھ پہلے ہی کی طرح موجود رہی۔ ہڑپا اور موہن جو دڑو کی پرانی طرز کی اس جدید تہذیب کے زوال سے تہذیبی ارتقاء میں یقیناً ترقی معکوس ہوئی یعنی شہری زندگی کچھ ختم کر دی گئی، کچھ تابع کر لی گئی اور کچھ دائیں بائیں اور اِدھر اُدھر بکھر گئی ہو گی۔اس کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ فاتح آبادیوں کو ختم نہیں کیا کرتے نہ بالکل نیست و نابود کر

سکتے ہیں اور نہ ہی یہ عمل از خود ہوا کرتا ہے۔اسی اصول کے تحت پروٹو پاکستان کی دیہی بود و باش اپنے سادہ پیشوں اور معمول کی زندگی کے ساتھ برقرار رہی اور یہی تہذیب وثقافت ہمارے خطے کی زبانوں کی امین ہے۔(۲)

زبانیں ہمیشہ اپنے مادی، سماجی، مذہبی، دیہاتی یا دہقانی کلچر اور مظاہر میں رہ کر ترقی کرتی ہیں اور الفاظ ایسے ہی پس منظر میں اپنے مفاہیم واضح کرتے ہیں۔(۳) ماہرین کے مطابق یہ بات بے حد اہم ہے کہ لسانیات میں تحریری کی بجائے تقریری رُوپ معتبر ہوتا ہے۔(۴) وادیٔ سندھ کے کسانوں، مزدوروں، دیہاتیوں اور اور مضافاتیوں نے بھی وہ قدیم لسانی روایت تادمِ تحریر قائم رکھی ہے جس کے ذریعے یہاں کی مختلف زبانوں میں سے ہڑپائی عہد کی درواڑی اصل واضح دکھائی دیتی ہے۔اسی بنا پر پوٹھوہار، ہڑپا، موہن جودڑو، کوٹ ڈیجی، آمری، نال، ڈیرہ بگٹی اور وسطی پاکستان کے کئی علاقوں میں سے کم وبیش سات ہزار برس قبل کے دریافت ہونے والے لسانی آثار کی بنیا پر اس علاقے کی زبانوں کو ہڑپائی اصل کی زبانیں کہا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔

دریائے سندھ کی ترائی اپنی زرخیزی، حسن اور پانی کی فراوانی کے باعث ماضی کی معلوم تاریخ تک حملہ آوروں اور فاتحین کی زد میں رہی ہے۔تاریخی طور پر پشاور اور ڈیرا اسماعیل خان کے اردگرد چار سرحدی درے خیبر، کرم، ٹوچی اور گومل وادی سندھ کو افغانستان سے ملاتے ہیں۔اس وجہ سے شمال مغرب کی طرف سے آنے والے تمام حملہ آور سندھ کی اس وادی کو سیاسی، معاشرتی، ثقافتی اور لسانی حوالوں سے متاثر کرتے رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ علم انسانی (anthropology) کے ماہرین پنجاب کو ہندوستان کی بجائے وسطی ایشیاء کے ساتھ زیادہ قریب قرار دیتے ہیں۔(۵) نارمن براؤن کا بھی اسی باعث خیال ہے کہ رِگ وید مرتب کرنے والے اپنے مشرقی ہم عصروں کی بجائے ایرانیوں سے زیادہ لسانی قربت میں دکھائی دیتے ہیں۔(۶)

پنجاب کا شمالی اور شمال مغربی حصہ (خصوصاً موجودہ خیبر پختون خوا اور پنجاب) بیرونی حملہ آوروں سے زیادہ متاثر ہوا۔یہاں سے ہزاروں برس تک سیاسی، ثقافتی اور تجارتی قافلے گزرتے رہے اور روم، وسطی ایشیاء، بابل، چین اور ہندوستان کے درمیان باقاعدگی سے لین دین اور فتوحات وغیرہ ہوتی رہیں۔یہاں کون کون آئے اور کب کب آئے؟ یہ ایک بڑی اور نامعلوم داستان ہے۔(۷)

وادی سندھ میں سے پنجاب کے علاقے جہاں پانی، ہریالی، حسن اور زرخیزی کے خواہش مندوں کے ظلم کا شکار رہے ہیں وہاں دریائے سندھ کے نچلے علاقے (موجودہ صوبہ سندھ) نے سوائے تجارتی قافلوں اور آٹھویں صدی میں مسلمان فاتحین کے اثر کے، اپنی روایت کو زیادہ سنبھالے رکھا۔اسی طرح خضدار اور قلات کی پہاڑی ترائیوں پر بھی بیرونی اثرات کم رہے۔یوں یہ بات واضح ہے کہ سندھی اور براہوی میں پنجابی اور پشتو کی نسبت ملاوٹ کم اور قدیم عنصر زیادہ ہے۔

براہوی زبان پاکستان کے صوبہ بلوچستان کی جنوبی گھاٹیوں میں بولی جاتی ہے جس کی باقاعدہ تاریخ اُنیسویں صدی کی دوسری دہائی سے شروع ہوتی ہے۔اس (بقول مصنف: عجیب وغریب زبان) کا ذکر 1816ء میں پہلی بار سر ہنری پوٹنگر (Sir Henry Pottinger) نے اپنے سفرنامے میں کیا(۸) جہاں سے مستشرقین کو اس زبان کے بارے میں دلچسپی پیدا ہوئی اور اس زبان پر تحقیق شروع ہوئی۔لیفٹینینٹ آر لیچ (Lt. R. Leech) پہلی جنگ افغانستان سے قبل ایک وفد کے ساتھ

بلوچستان میں سے گزر کر افغانستان گئے۔ وہ براہویوں سے مل کر چونکے اور اپنے مشاہدے کو کاغذ پر اتارا۔(۹) لیچ سے متاثر ہو کر چارلس میسن (Charles Masson) نے خاص طور پر براہوی قبائل کی زبان کی کھوج کے لیے علاقے کا سفر کیا اور برسوں کی تحقیق و تدقیق کے بعد براہوی لغت شائع کی۔(۱۰) اس کے بعد ایک جرمن ماہر لسانیات کرسچین لیسن (Christian Lassen) نے 'براہوی اور اس کی بول چال' کے عنوان سے پہلی بار یہ بات ثابت کی کہ براہوی اور دوسری دراوڑی زبانیں اساسی طور پر ایک ہیں۔(۱۱)

۱۸۵۶ء میں رابرٹ کالڈویل نے لیسن کے نظریے کو آگے بڑھایا اور دراوڑی زبانوں: تامل، تلیگو، کنڑی، ملیالم، تلو اور براہوی کا موازنہ شائع کیا۔(۱۲) اس طرح یہ زبان اپنی اصل کے حوالے سے دراوڑی مانی گئی۔ اس کی قدامت واہمیت جان جانے کے بعد براہویوں نے خود اپنی زبان کے بارے میں کام شروع کیا اور اللہ بخش زہری نے ۱۸۷۷ء میں اس کے بارے میں ایک تعارفی کتابچہ شائع کیا۔(۱۳) اس زبان کی پہلی گرائمر ارنسٹ ٹرمپ (Earnest Trump) نے لکھی (۱۴) اور بعد میں ڈینس برے (Denys de S. Brey) نے اپنی تحقیق تین جلدوں میں شائع کر کے اس کی دراوڑی اصل ثابت کر دی۔(۱۵)

بلوچستان کے جنوبی حصے میں بولی جانے والی یہ زبان دراوڑی بولیوں کا بالکل اسی طرح حصہ ہے جس طرح تامل، ملیالم، گونڈی، تلیگو، کنڑی، کرخ، تلو اور دوسری زبانیں ہیں۔ پنجابی ان زبانوں میں سے سب سے بڑی ہے اور اس کے بولنے والے سب میں سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں۔ پھر بھی وہ میکس مُلر (Max Muller) کی ۱۸۶۶ء میں شائع ہونے والی سنسکرت گرائمر کے پیدا کردہ مغالطے کا شکار ہو کر اس کو جدید ہند آریائی سمجھتے، لکھتے، پڑھتے رہے اور آج بھی اکثر ایسا ہی باور کر رہے ہیں۔(۱۶) یہ صورت حال براہوی میں بھی موجود ہے تبھی تو ۱۹۹۵ء میں عزیز مینگل نے اپنی زبان کو آریائی زبانوں کے کھاتے میں ڈالا۔(۱۷) شروع شروع میں گریرسن نے جدید ہند آریائی زبانوں کا نقشہ شائع کر کے پنجابی کو ہند آریائی زبان قرار دیا۔ اس نقشے میں لہندا اور پنجابی کے درمیان بعد المشر قین نظر آتا ہے۔ یعنی لہندا بیرونی خطے کی زبان ہے جب کہ پنجابی اندرونی خطے کی؛ اور درمیان میں وسیع علاقہ موجود ہے۔ حالانکہ حقیقت میں لہندا پنجابی کا ایک مغربی لہجہ ہے۔ یوں پنجابی کے بارے میں ایک اور مغالطہ بھی پیدا ہوتا تھا کہ لہندا اور پنجابی دو الگ الگ زبانیں ہیں مگر محقق نے اپنی پہلی تحقیق کو رد کر کے ایک نیا نقشہ شائع کیا جس میں پہلی غلط فہمی کا زاویہ تو بدلا مگر اُس روّیے میں کوئی خاص کمی نہیں آئی۔ ظلم یہ ہے کہ پہلے نقشے میں بھیلی کو بھی ہند آریائی قرار دیا گیا تھا۔ یہ کتنی انوکھی بات ہے کہ کسی ملک کے صدر مقام کو مرکز مان کر، اردگرد دائرے لگا کر زبانوں کی تقسیم کی کوشش کی جائے۔(۱۸)

یہ بات ۱۸۸۳ء کی ہے جب آر لیچ نے براہوی، بلوچی اور پنجابی کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور ان کا ایک انتخاب شائع کیا۔(۱۹) اس انتخاب کی اشاعت کے بعد براہوی کی اصل کی طرف توجہ دی گئی۔ لیکن پنجابی کی طرف شاید اس لیے دھیان نہ دیا جا سکا کہ پنجابیوں نے خود اسے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ دوسری طرف ڈینس برے نے براہوی صَرف لکھتے ہوئے پنجابی (مرکزی) اور اس کے ایک لہجے 'جٹکی' کو دراوڑی زبانوں کے موازنے کے لیے برتا۔(۲۰) یو اے سمرنوف (U.A.Samarnove) نے پنجابی کو لہندی کے نام سے وادی سندھ کی قدیم زبان قرار دیا(۲۱) اور ایم بی ایمینو (M.B.Emeneau) نے بھی جنوبی ہندوستان میں گھوم پھر کر تحقیقات کرتے ہوئے جنوبی ہند کی دراوڑی زبانوں کے علاوہ ایک

اور زبان کو دراوڑی جانا اور وہ تھی 'لہندا'۔ (۲۲)

دراوڑ چوں کہ آریاؤں سے قبل پروٹو پاکستان میں رہتے تھے اور آریاؤں کی آمد کا ان کی آبادیوں پر معمولی اثر دراوڑوں کو ختم نہ کر سکا۔ اس لیے ان کی کئی بولیاں یا زبانیں آج بھی زندہ ہیں: کہیں اپنی اصل شکل میں اور کہیں زبان کے اساسی ڈھانچے کی صورت میں۔ ان زبانوں کا زندہ رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ سندھ کی اس وادی کی قدیم زبان آریائی نہیں تھی بلکہ ویدوں کی تخلیق سے پہلے یہاں بسنے والوں کی اپنی ایک مضبوط اور ٹھسے دار ثقافت اور زبان موجود تھی۔ آریا باہر سے آئے تھے اور یہاں کے اصل لوگوں سے اُن کا نباہ بھی نہیں ہوا تھا۔ تاریخ کیوں کہ یک طرفہ طور پر لکھی جاتی ہے اس لیے ویدوں میں آریاؤں نے جگہ جگہ اپنی فتح ہی دکھائی ہے۔ لیکن ویدوں کی تیاری: کلام کے پہلو اور مقام کے حوالے سے متنازع ہے۔ پہلے تو ویدوں کے الہامی ہونے والا در بند ہے، دوسرے یہ کسی ایک ادیب کی تحریر نہیں بلکہ کئی کئی شاعروں اور لکھاریوں کی تحریروں کا مجموعہ ہیں۔ پھر ان کی تیاری اور ترتیب (compilation) کے مقامات خود یہ حقیقت آشکار کر دیتے ہیں کہ سندھ وادی کے غیور باسیوں نے آریاؤں کو یہاں قدم جمانے نہیں دیے۔ یہی وجہ ہے کہ رِگ وید: راوی اور چناب کے درمیانی علاقے میں مرتب ہوا اور اتھر وید ترتیب دیتے وقت وہ اس علاقے میں نہیں تھے۔ اب وہ گنگا جمنا کے دوآبے میں یہی کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اگر ہڑپا اور موہن جو دڑو آریاؤں کے ہاتھوں تباہ ہوئے بھی ہوں تو پھر جیسے پچھلی سطروں میں ذکر ہوا ہے، ان شہروں اور علاقوں میں بسنے والے بالکل ختم نہیں ہوئے اور نہ ہی تاریخی طور پر کسی تباہ ہونے والے یا فتح ہو جانے والے علاقے کے لوگ ختم ہو جایا کرتے ہیں۔ تاریخ نے دراوڑی تہذیب کی مہروں کی تجارت دجلہ وفرات کی سمیری تہذیب کے ساتھ ثابت کی ہے جس سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ ان کے درمیان زبان کا علامتی اشتراک بھی تھا۔ یہاں کی بازیافتہ ثقافت، مہروں، کتبوں اور شہروں کی آرائش اس بات کی گواہ ہے کہ یہاں کا رہن سہن اور ان کی اعلیٰ تعلیم اُن کی پختہ ثقافت کے علم بردار تھے۔ اس سب کے باوجود کسی محقق نے وادی سندھ کی زبانوں کی اساس کبھی سومیری گرائمر کے تابع قرار نہیں دی۔

تہذیبی وثقافتی حوالے سے صرف چند اشارے ہی اُس وقت کی بھرپور تصویر فراہم کر دیتے ہیں جن کی روایت اور تسلسل آج بھی یہاں کے معاشرے میں موجود ہے۔ مثلاً ہڑپا کی کھدائیوں سے لونگ، ہار، کنگن، بُندے، چونک، بازو بند، پہنچیاں، ٹِکا، انگوٹھیاں، خواتین کی بال سمیٹنے کی سوئیاں اور کڑے وغیرہ کے علاوہ چہرہ شنگارنے کے سامان میں سرمہ اور پاؤڈر وغیرہ بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ مردوں کے لباس میں کرتے، دھوتیاں اور چادریں یا دُھسے، عورتوں کے پہناووں میں شلوکا (جدید بلاؤز) اور ساڑھی قسم کی چادریں بھی ملی ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں سے مٹی کے برتن اور چاندی اور پیتل کے مرتبان بھی ملے ہیں۔ یہ سب آریاؤں سے قبل کے مستعملات ہیں جو آج بھی یہاں کی تہذیب وثقافت میں تازہ اور زندہ ہیں۔

فاتح اور مفتوح قوموں کی تاریخ کے زاویے سے ہمارے ہاں چینی، ترکی، عربی، منگولی اور فارسی بولنے والی قوموں اور فاتحین کی تاریخ موجود ہے۔ اس سے واضح ہے کہ چین، ترکستان، ایران، افغانستان اور عرب سے آنے والے حکمرانوں نے مقامی زبانوں کو متاثر ضرور کیا لیکن سرے سے ختم نہیں کر سکے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صرف آریاؤں ہی کے آنے سے اُن کی نو وارد زبان نے یہاں کی دیسی زبانوں (یا ایک زبان) کو بالکل ختم کر دیا ہو اور خود پردھان بن بیٹھی ہو۔

یہ طے ہے کہ پروٹو پاکستان میں بولی جانے والی مقامی زبانیں سنس کرت کی بگڑی ہوئی صورتیں نہیں تھیں بلکہ ہڑپائی عہد میں یہاں کے لوگ دراوڑی اور منڈا گروہ کے لسانی حلقوں سے متعلق تھے۔ اس کا ٹھوس ثبوت نہ صرف بلوچستان میں براہوی بولنے والے قبائل کا وجود ہی ہے بلکہ دیگر دیسی زبانوں میں دراوڑی اور منڈا عناصر کی موجودگی بھی اس بات کی شہادت ہے۔ حالاں کہ آریاؤں کے شواہد کے بعد کسی زمانے میں بھی جنوبی ہندوستان سے دراوڑی قبیلوں کا وادی سندھ کے باسیوں کے ساتھ براہ راست یا کسی اور قسم کا رابطہ ثابت نہیں۔

اگر رِگ وید کی مثالیں یا ان میں سے کوئی ایک مثال بھی تسلیم کر لی جائے جو ویدوں میں دراوڑی زبان کی موجودگی کا ثبوت فراہم کرتی ہو تو یہاں کی زبانوں میں دراوڑی (دیسا جا) لفظوں، ترکیبوں اور جملوں کی موجودگی اس سرزمین میں غیر آریائی یا غیر ویدی زبان کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ موہن جودڑو، ہڑپا اور کوٹ ڈیجی وغیرہ کی کھدائیوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور یہ بھی تسلیم کیا جا چکا ہے کہ آریا لوگ یہاں تھوڑی تعداد میں آئے۔ ظاہر ہے کہ جب آریاؤں سے قبل کی تہذیب ترقی یافتہ تھی تو لازماً اُن کی زبانیں بھی ترقی یافتہ ہوں گی۔ آریاؤں کو یقیناً ایسے مفتوحوں سے واسطہ پڑا جو ہر لحاظ سے مضبوط اور طاقت ور تھے۔ زمینوں جاگیروں والے، زرخیزی کے پلے بڑھے، سات دریاؤں کے مالک اور خوب صورت تہذیبی اور تعمیری ورثے کے حامل! یوں آریاؤں کو یہاں آ کر اپنی طرز اور وتیرے کے علاوہ وہ سب کچھ اپنانا پڑا جو آج ان قدیم تہذیبوں کی کھدائی نے دُنیا کے سامنے لا پھیلایا ہے۔ آریا نو واردوں کو دیوی دیوتاؤں کے تصور، دیو مالا، کھانے پینے کی اشیاء مثلاً پان، سپاری، بیر، پیلو اور کری کے ڈیلے، لباس میں دھوتی اور ساڑھی وغیرہ اسی خطے کی دین ہے۔

یہاں تھوڑی سی توجہ اس پہلو پر بھی کر لینی چاہیے کہ اگر تہذیب اور ثقافت زندہ ہے تو اس تہذیب اور ثقافت کے ورثا کس طرح مر گئے ہوں گے؟ اور اگر ورثا ختم ہو چکے ہوں تو تہذیب کیسے پنپ سکتی ہے؟

رشی پانِنی لاہور (نزد صوابی) میں پیدا ہوئے۔ ٹیکسلا سے تعلیم حاصل کی اور کم و بیش 250 ق م میں سنس کرِت کی پہلی گرائمر لکھی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جدید آریائی تمدن کے نمائندہ تھے اور آریاؤں نے اپنی آمد سے کم و بیش ڈیڑھ ہزار برس بعد بھی اُس زبان کو مرتے ہوئے یا کم زور محسوس کیا ہوگا جو وہ مقامی زبان (یا زبانوں) کے مقابلے پر لانا چاہتے تھے۔ آثار یہی بتاتے ہیں کہ وہ اپنی وضع کردہ زبان کو ابھی تک اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ (اُن کے تئیں) ’پراکرتوں‘ کے مقابلے کی معتبر زبان بن چکی ہو۔ یقیناً ابھی تک اس کو کوئی مضبوط اساس فراہم نہیں ہوئی ہوگی اور وہ ’ویدی زبان‘ مقامی زبان یا زبانوں کے سامنے قدم نہیں جما سکی ہوگی۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ویدی (یا سنس کرت) مقامی زبانوں پر اپنے انتہائی معمولی اثر کے بعد، خود تو مر گئی مگر غیر متزلزل مقامی زبانیں اپنی اٹل بنیادوں پر آج بھی زندہ ہیں۔

سنس کرت کے صفحۂ ہستی سے مٹ جانے کی ایک وجہ مہاویر سوامی اور مہاتما بدھ کا دھرم پرچار کے لیے اپنی اپنی مقامی زبانوں کا استعمال بھی بنا اور آخر میں مسلمانوں کی پروٹو پاکستان میں آمد کی وجہ سے یہ اپنے کسی اثر کے بغیر ہی نابود ہوگئی۔ اگرچہ اسلام کے اثرات تو ساتویں صدی عیسوی ہی میں بزرگوں، علماء اور تاجروں کے ذریعے یہاں پہنچ چکے تھے لیکن آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے اس علاقے کو باب الاسلام بنایا تو سنس کرت کی معمولی سی جھلک (جو تب تک رہ گئی تھی) کے بعد مقامی زبانوں نے عربی اور فارسی کا اثر لینا شروع کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندی اور مشرقی پنجاب کی موجودہ پنجابی پر شعوری

سنسکرتی اثر کے باوجود عربی اور فارسی کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔ان سب عوامل کے باوصف یہ حقیقت یہاں کی زبانوں کی قدامت کی دلیل ہے کہ اس خطے کی زبانوں کا گرائمری ڈھانچہ وہی پرانا رہا جو آریاؤں سے پہلے تھا۔

دانش وروں میں آریاؤں کے بارے واضح اختلاف کے باعث اُن کا وجود یا عدم بھی مشکوک ہے۔سر ڈیسائی، ڈاکٹر شریڈر (Dr. Shader)، ڈاکٹر برینڈ سٹائن (Dr. Brandeustine)، میکس ملر اور چیٹر جی جیسے ماہرین لسانیات ان کو (الگ الگ) وسطی ایشیاء، مشرقی یورپ اور جنوبی روس وغیرہ کے باشندے بتاتے ہیں جب کہ ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا، ڈاکٹر سمپورنا نند، اوِناش چندر داس، ایل ڈی کلا اور ڈی ایس ترویدی کا خیال ہے کہ یہ قدیم ہندوستانی باشندے ہیں اور ہمالیہ، سرسوتی ندی (دریائے راوی) یا پھر ملتان کے قرب وجوار کے رہنے والے تھے۔دانش وروں کے ان نوع بہ نوع نظریات کی روشنی میں دیکھیں تو آریاؤں کی اصل اور آمد کی یہ ساری کہانی مفروضوں پر قائم نظر آتی ہے۔

لسانی حوالے سے یہ بات غور طلب ہے کہ ابھی تک آثار قدیمہ کی کھدائیوں کے ذریعے آریاؤں کی یہاں آمد یا وجود کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ بفرض محال اُن کے وجود کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو چیٹر جی جیسے محقق نے ثقافت میں آریائی حصہ پچیس فی صد تسلیم کیا ہے۔نسبیات میں یہ اس سے بھی کم ہے۔ پھر کیوں اتنے تھوڑے حصے کو وقعت دے کر تمام زبانوں پر اس کا لیبل لگا دیا جائے؟ (۲۳) تبتی برمی زبانیں آریاؤں سے صدیوں پہلے سے لداخ، کماؤں، نیپال، بھوٹان، سکم اور ناگا علاقوں میں موجود ہیں لیکن ان کا اثر مقامی زبانوں پر آج ایک فی صد کی حد تک بھی دکھائی نہیں دیتا۔آریا کون سے دیوتھے کہ انہوں نے ہمالیہ سے لنکا تک کو اپنے لسانی حصار میں لے لیا اور ایسا رنگ چڑھایا کہ اور کوئی لسانی عنصر اس کے سامنے ابھر تک نہ سکا؟

پنجابی اور دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ ہمالیہ کے دامن میں موجود تبت چینی، مونڈا اور کول یا دراوڑ آریاؤں کے ممکنہ دباؤ کے باوجود نہ تو علاقے سے گئے اور نہ ہی اُن کی زبانیں ختم ہوئیں۔وجہ یہ ہے کہ بعض قدیم مقامی زبانیں آج بھی اس علاقے میں دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں۔مثلاً کناری شملے کے آس پاس کی ایک غیر آریائی زبان ہے۔گلگت بلتستان، کشمیر، خیبر پختون خوا، سکم، ناگا لینڈ اور بھوٹان وغیرہ کی تمام زبانیں غیر آریائی ہیں۔'کھڑیا' رانچی کے علاقے میں، 'شابر' اور 'جوانک' آندھرا پردیش کی شمالی سرحد پر اور 'کرکو' میواڑ اور مالوے میں بولی جاتی ہے۔یہ سب جنوبی ہند، جسے غیر آریائی خطہ ہونے پر اتفاق ہے، سے باہر کے علاقوں کی زبانیں ہیں۔

اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آریا اگر کہیں باہر سے آئے بھی تھے تو قراقرم اور ہمالیہ کے جنوب میں وہ کوئی لسانی انقلاب نہیں لے کر آئے۔ ویسے بھی وادی سندھ کا جنوبی علاقہ ہڑپائی تہذیب کا پرانا گڑھ ہے۔کوٹ ڈیجی، مہر گڑھ، ہڑپا اور موہن جودڑو وغیرہ یکے بعد دیگرے اسی تہذیب کی مختلف پرتیں یا تہذیبیں ہیں۔سندھی زبان کا علاقہ تین اطراف سے دراوڑی اصل کی زبانوں میں گھرا ہوا ہے۔اس کی ادبی تاریخ اور وسعت بھی نمایاں ہے۔پنجابی کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھا جائے اور ان دونوں زبانوں کی قدامت پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان دونوں کا بھی پنجابی اور براہوی کی طرح اثاثہ مشترک ہے۔ جہاں تک ان کے تحریری روپ کی قدامت کا تعلق ہے اس میں ان کی پردھان زبانوں کے ساتھ رقابت رکاوٹ رہی ہے۔آپ جانتے ہیں کہ یہ زبانیں ویدوں کی بنیاد میں موجود ہیں باوجود اس کے کہ سنسکرتی عہد میں برہمنیت نے اپنی خودساختہ زبان کے مقابلے میں پراکرتوں کو کم تر، پلید اور ملیچھ قرار دے رکھا تھا۔اُس زمانے میں تعلیم عام نہیں

تھی اور اُن کی وضع کردہ زبان تو صرف سرکاری درباری تھی۔ تجارت پیشہ لوگ شروع ہی سے بہی کھاتوں اور حساب کتاب کی سمجھ بوجھ تک ہی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور یہ انہیں اکثر وراثت ہی میں مل جاتی ہے۔ عصری حالات کے تحت رعایا جاہلِ مطلق تھی لہٰذا دیسی زبانیں بولنے والوں کی تعداد کروڑوں میں تھی لیکن اُن کی زبانیں کس مپرسی کی حالت میں تھیں۔(۲۴) ان حالات میں بھلا دُور دراز کی کون سی زبان تھی جو سنس کرت جیسی سرکاری سرپرستی والی زبان کے دباؤ کے باوجود محفوظ رہتی؟ ہاں! تحریر میں اگر یہ ممکن نہیں تھا تو تقریر میں اُن کو کوئی کبھی نہ ختم کر سکا۔

اس حقیقت سے بھلا کس کو انکار ہے کہ بیرونی لسانی یلغار سے متاثر ہونے والی زبانیں بھی صرف تاثر ہی لیا کرتی ہیں، اُن کی بنیاد اور جڑیں قبول نہیں کرتیں۔ لسانیات کے ماہرین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ دو زبانیں مل کر تیسری زبان نہیں بنا کرتی۔ نئی زبان اپنی ماخذ زبانوں میں سے محض کسی ایک کا ترقی یافتہ رُوپ ہوتی ہے۔ اُس کا صلبی رشتہ اُس زبان کے ساتھ جوڑا جائے گا جس سے اُس نے بنیادی مادے اور قواعدی لاحقے وغیرہ لیے ہوں۔ مجرد الفاظ خواہ کہیں سے بھی اور کتنے بھی مستعار لے لیے جائیں وہ زبان کی نسل اور شجرے پر اثر انداز نہیں ہوتے۔(۲۵) اردو سمیت ہماری زبانوں نے یہاں آنے والی دوسری زبانوں کے سیکڑوں الفاظ مستعار لیے ہیں۔ ایسی زبانوں میں عربی، فارسی، یونانی، دردی، یورپی اور کئی اور شامل ہیں۔ لیکن اِن میں اُن کی صورت تدبھو ہی کی رہی ہے۔

مغرب سے متاثر کچھ لسانی ماہرین کا معیار اس معاملے میں دوہرا ہے کیوں کہ اس خطے کی زبانوں پر یہاں آ کر رہنے والے اور آٹھویں صدی کے بعد کے حکمرانوں کے اثرات کی وجہ سے 'لسان الملوک ملوک اللسان' کے مصداق عربی اور فارسی لفظوں کے استعمال اور چند مجرد سنس کرتی الفاظ کی وجہ سے انہیں ہند آریائی کہا گیا ہے۔(۲۶) یہ الگ سوال ہے کہ اس بات پر غور نہیں کیا جاتا کہ سنس کرت یا سنسکرتی ویدوں میں کتنے فی صد مقامی زبانیں ہیں؟ اُدھر انگریزی میں ساٹھ فی صد الفاظ نارمن فرنچ کے ہیں، ملیالم میں ستر سے اسی فیصد سنس کرت کے، البانوی میں چند سو کے علاوہ باقی سب باہر کے ہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ انگریزی جرمن اور فرنچ کے ملاپ سے بنی ہے یا ملیالم تامل اور سنس کرت سے مل کر وجود میں آئی ہے۔(۲۷) ترکی، انگریزی، فارسی اور عربی کا معاملہ بھی توجہ طلب ہے۔ کیوں کہ ان زبانوں نے نہ صرف پاکستان اور اس کے اردگرد کے لسانی ذخیرے میں جگہ پائی ہے بلکہ فارسی خود عربی سے شدید متاثر ہے اور ترکی فارسی اور عربی سے۔ اسی طرح ہسپانوی کو بھی عربوں کی فتوحات نے قابلِ ذکر طور پر متاثر کیا ہے۔ لیکن اس بنیاد پر اُن دونوں زبانوں کو عربی الاصل یا سامی گروہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔(۲۸) فارسی اور ترکی نے عربی کی مفتوح ہونے کے باعث اپنے حروف ابجد اور گرائمر تک میں تبدیلی قبول کی پھر بھی انہیں سامی گروہ میں نہیں گنا جاتا۔

وادیٔ سندھ کی زبانوں کے ساتھ تو پچھلی دو صدیوں میں ایک سے بڑھ کر ایک غیر منطقی رویہ سامنے آتا رہا ہے۔ محی الدین قادری زور کے ایک لسانی شجرے کے مطابق ایک ہی وقت میں ایک ہی گروہ کی زبانیں دریائے سندھ کے اردگرد سے ہزاروں میلوں کا سفر کر کے مشرقِ وسطیٰ اور یورپ تک چلی جاتی ہیں۔(۲۹) حالاں کہ اس خطے کے لسانی رابطے سوائے ایک دو صدیوں کے، مشرقِ وسطیٰ کے ساتھ رہے ہیں۔ تاریخ صرف انگریزی دَور ہی کا نام نہیں بلکہ انگریزی دَور سے صدیوں پہلے کے لسانی اثرات یہاں کی زبانوں کو سامی یا حامی نہیں بنا سکیں تو زندگی کی تاریخ میں یہ ویدی اور سنسکرتی لسانی ربط کیسے یک دم ان

زبانوں کی بنیاد ہی بدل کر رکھ سکتا ہے؟

آثار قدیمہ اور نسبیات کے ماہرین کے مطابق پاکستان کی وادی سواں کی گھاٹیوں میں زندگی کم از کم پندرہ ملین برس سے موجود ہے اور یہ وادی دُنیا کی قدیم ترین زندہ وادی ہے۔(۳۰) ڈاکٹر ڈیوڈ پل بیم نے وادی سواں سے ملنے والے آثار پر اپنے ایک تفصیلی انٹرویو میں یہاں سے ملنے والے ایک فوسل (fossil) کے بارے میں بتایا تھا کہ 'ہم نے ایک بڑی سائنسی کام یابی حاصل کی ہے اور ایک ایسا فوسل ڈھونڈ نکالا ہے جسے دُنیا میں کسی بھی جگہ، کبھی بھی ملنے والے فوسلز میں سے قدیم ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔'(۳۱)

زندگی اصل میں یہیں سے چلتی ہے اور صدیوں کا سفر کر کے ہم تک پہنچتی ہے۔ بھیرومل مہر چند اڈوانی کے بقول: ایک زمانہ تھا جب ہندوستان میں تورانی زبانیں بولنے والی نسلیں مقیم تھیں۔(۳۲) یہ تورانی لوگ کون تھے اور ان کا کیا ہوا؟ یہ ایک گھمبیر سوال ہے۔ بہر حال یہاں کے لوگ اپنے وجود میں سرایت کردہ زبانوں کے ساتھ بالکل اُسی طرح جُڑے رہے جس طرح انہوں نے یہ سرزمین نہیں چھوڑی۔ تاریخ گواہ ہے کہ نسلیں اپنا وطن بدل بھی لیں تو زبانیں اُن کے ساتھ زندہ رہتی ہیں۔ جپسی اور ہمارے ہاں کی براہویوں، اوڈوں اور بھیلوں کی زبانیں اس کی زندہ مثالیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ شمالی علاقوں میں بلتی، شینا، کھوار، واخی اور کافر وغیرہ چھوٹے چھوٹے لسانی گروہ صدیوں سے اپنی زبانوں کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ جنوبی ہندوستان میں ٹوڈا، کوٹا، بڈاگا اور نیل گری وغیرہ بولنے والوں کی تعداد بھارت کی کم و بیش ایک ارب کی آبادی میں تین تین، چار چار ہزار سے زیادہ نہیں۔ زبانیں زندہ صرف وہی رہتی ہیں جن کے بولنے اور سنبھالنے والے زندہ ہوں ورنہ اُن کا انجام لاطینی اور سنسکرت والا ہوتا ہے۔

جن زبانوں میں نہیں لکھا جا رہا وہ ہماری نظروں کے سامنے ضائع ہو رہی ہیں۔ لسانیات کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ ۱۵۰۰ء میں دُنیا میں پندرہ ہزار کے قریب زبانیں بولی جاتی تھیں جو اب کم ہو کر آدھی رہ گئی ہیں۔ نئے زمانے میں اِن کے ختم ہونے کی رفتار پریشان کن حد تک تیز ہو گئی ہے۔ اگر زبانیں ختم ہونے کی رفتار یہی رہی تو اکیسویں صدی کے آخر تک دُنیا میں ان کی موجودہ تعداد کا بھی نصف باقی رہ جائے گا۔ اس وقت مشرقی سائبیریا، شمالی آسٹریلیا، وسطی جنوبی امریکہ، امریکی ریاست اوکلوہاما اور امریکہ کا ہی جنوب مغربی علاقہ، جنوبی امریکہ میں ایکواڈور، کولمبیا، پیرو، برازیل اور بولیویا وغیرہ میں موجود زبانوں کو زندہ رہنے میں زیادہ مشکل درپیش ہے۔ بس رائمر (Buss Rymer) کی تحقیق کے مطابق دُنیا میں تیس کے قریب ایسی زبانیں ہیں جن کے بولنے والوں کی گنتی صرف دو یا تین رہ گئی ہے اور کئی زبانیں ایسی بھی ہیں جن کے بولنے والے تو سب مر مٹ چکے ہیں البتہ کچھ ایسے لوگ ہیں جو ٹوٹی پھوٹی زبان بولتے ہیں۔(۳۳) ۲۰۰۸ء میں نیشنل سائنس فاؤنڈیشن کی جزوی مدد سے دو لسانی سائنس دانوں: پروفیسر ڈیوڈ ہیریسن اور گریگوری اینڈرسن نے دُنیا کی مٹتی ہوئی زبانوں پر تحقیق کرتے ہوئے چولیم، کلاوایا، سورا اور جمہوری وغیرہ کی تلاش میں روس، بولیویا، بھارت اور امریکہ کے دَورے کیے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ان زبانوں کو ان کی زوراور ہمسایہ زبانیں کھا گئی ہیں۔(۳۴) اگر ہماری زبانیں بھی ایسی ہی کم زور ہوتیں تو ان کی بنیادیں بھی آریائی لسانیات ہڑپ کر چکی ہوتی۔ بحمداللہ پاکستانی علاقے میں بولی جانے والی زبانوں کے حوالے سے اچھی خبر ہے۔

پاکستان کے خانہ بدوش کنجر، گگڑے، چنگڑ اور اوڈ قبیلے صحراؤں، باروں اور جنگلوں سے نکل کر شہروں میں آباد ہو

چکے ہیں اورخواہ سندھی، پنجابی، براہوی، بلوچی، پشتو اور دوسری زبانیں روانی سے بول سکتے ہیں لیکن اُن کی خاندانی زبانیں اُن کے ساتھ زندہ ہیں اور نسل درنسل منتقل ہو رہی ہیں۔

سندھی اپنے بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے ایک چھوٹی زبان ہے لیکن اپنی اصل کے حوالے سے بہت قدیم۔ یہی حال براہوی اور پنجابی کا ہے۔اُن میں دراوڑی کے ذریعے ہی منڈا عنصر بھی واضح دکھائی دیتا ہے۔ دراوڑی اور منڈا زبانوں کی خصوصیات کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو صورت حال کچھ یوں ہوگی:

الف) اِن میں سابقے اور لاحقے لائے جاتے ہیں جب کہ دراوڑی زبانوں میں حروفِ علت 'اے'، 'اَے' اور 'او' بھی ہیں۔

ب) منڈا زبانوں میں ہکاری آوازیں زیادہ ہیں۔

ج) دراوڑی تعداد کے صیغے دو ہیں: واحد اور جمع۔

د) ایک ہی لفظ مقام کے اعتبار سے اسم، فعل اور حرف وغیرہ ہو سکتا ہے۔

ھ) دراوڑی زبانوں میں معکوسی مصمتوں کی افراط ہے۔

و) ضمیر متکلم کی شمولی اور اخراجی، دو قسم کی جمع ہوتی ہے جب کہ دراوڑی زبانوں میں بھی جمع کی منڈاری زبانوں والی ہی صورت ہے۔(۳۵)

اجتماعی طور پر یہ ساری خصوصیات سندھی، براہوی اور پنجابی میں مشترک ہیں۔ان کی مثالیں آگے آئیں گی یہاں صرف یہ یاد کرانا مقصود ہے کہ زیرنظر زبانوں نے ان خصوصیات کو کس خوبی کے ساتھ اپنا ورثہ بنایا ہے۔سندھی اور پنجابی کے لسانی اشتراک پر کچھ دانشوروں کی آراء ملاحظہ فرمایے:

1۔ کئی صوتی اور لغوی معاملوں میں پنجابی اور سندھی قریب قریب ہیں۔(۳۶)

2۔ پنجابی اور سندھی کے علاوہ کسی زبان میں لفظ کے آخر میں تشدید نہیں بولی جاتی۔(۳۷)

3۔ سندھی کا تقریباً تین چوتھائی حصہ منڈا اور دراوڑی حلقے کی زبانوں سے متعلق ہے۔(۳۸)

4۔ ایک طرف سندھی کا سنس کرت پراکرت سے تعلق ہے تو دوسری طرف جدید ہم اصل محاورے جنوبی ہند کی زبانوں کے ساتھ موازناتی مطالعے کی تحریک دیتے ہیں۔(۳۹)

لسانی ماہرین کی ان آراء کی روشنی میں پنجابی اور سندھی کے ایک لہجے: 'سرائیکی' کا دونوں زبانوں میں اشتراک بھی اُس راہ پر لے چلتا ہے جو خطے کی لسانی جڑوں اور دوسری زبانوں کے ساتھ موازنے کے ذریعے دراوڑی خاندان تک لے جاتا ہے۔ براہوی، سندھی اور پنجابی تو اساسی طور پر ایک ہی زبان کے مختلف روپ ہیں۔اوپر ذکر ہوئے علمائے عمرانیات، نسبیات اور لسانیات قیاسی طور پر متفق ہیں کہ براہوی بولنے والے اُفتادہائے زمینی و آسمانی یا اندرونی و بیرونی حملوں کے سبب پنجاب اور سندھ سے ہجرت کر کے بلوچستان کے محفوظ پہاڑی مقامات کی طرف چلے گئے اور پھر پہاڑوں کی گھاٹیوں ہی کے ہو کر رہ گئے۔موہن جودڑو، ہڑپا اور اردگرد کی عظیم تاریخی تہذیب کی دریافت اور ہم عصر و ہم پلہ تہذیبی آثار قدیمہ میں سے شواہد ملے ہیں کہ براہوی زبان کا تعلق اسی تہذیب سے ہے اور اس خطے کی مشترک زبان بولنے والے یقیناً اپنی زبانوں کے سوتوں کی اساس کے ذریعے

آپس میں مربوط ہیں اور ان زبانوں کے بنیادی اسمائے صفت، ضمائر، افعال اور متعلق افعال دراوڑی اصل کے مالک ہیں۔ پنجابی اور سندھی کا تو رسم الخط بھی اصلاً ایک رہا ہے۔ مثال کی خاطر کچھ علماء کی تحقیق پیش ہے:

i) پنجابی کا قدیم رسم الخط لنڈے یا clipped ہے۔(۴۰)

ii) مغربی پنجابی (لہندا) کا رسم الخط لنڈے ہے جو 'شاردا' کی ایک قسم ہے۔(۴۱)

iii) سندھی کا رسم الخط (بھی) لنڈے ہے۔ اس کے لیے کبھی گورمکھی بھی برتا جاتا ہے۔(۴۲)

پاکستان میں بولی جانے والی دراوڑی اصل کی زبانوں میں بستی کے لیے 'جھوک'، 'ڈھوک'، 'ڈاک' اور 'ڈوک'، پیشہ وروں کے نام مثلاً نائی، لوہڑی، درکھان، ڈوم، مَل (پہلوان)، چھیما یا چھمبیکا (دھوبی)، منیم اور موچی وغیرہ، دن کی تقسیم کے لیے 'پہر'، اعداد کا صفاتی، اضافی اور مفعولی پہلو مثلاً اِکا، دُکا، تِکا اور چوکا وغیرہ، 'کا'، 'کے'، 'کی'، 'را'، 'رے'، 'ری' کا استعمال جیسے 'عمر کے مرید کے'، 'ڈھام کے'، 'اولیکا'، 'لالیکا' اور 'دوسرا' (دُوس+را)، 'تیسرا' وغیرہ۔ 'نا'، 'نے'، 'نی' 'کا' 'کا'، 'کے'، 'کی'، 'دا'، 'دے'، 'دی' اور 'ڈا'، 'ڈے'، 'ڈی' وغیرہ کی جگہ بطور اضافت استعمال بھی انہی زبانوں کی خصوصیت ہے مثلاً پنجابی (پوٹھوہاری لہجہ) میں 'ڈوم نا ڈنڈا' یا 'حیدر نی لاٹھی' کا وہی مفہوم ہے جو براہوی میں اس جملے کا مفہوم ہے۔ 'ٹ' کا حرف اور 'ٹپ' سے ماخوذ اسماء جیسے 'ٹپا'، 'ٹاپو'، 'ٹپو' 'ٹپاکو' 'ٹپری'، 'ٹپل' اور 'ٹپلا' وغیرہ بھی دراوڑی اصل رکھتے ہیں۔

روزمرہ کے استعمال میں بیس کو اکائی کے طور پر استعمال کرنا اور 'پور' اور 'کوٹ' کے اسماء آج پاکستانی علاقوں میں اکثر آبادیوں کے ناموں کا جزو ہیں مثلاً 'عمر کوٹ'، 'سیال کوٹ' اور 'لائل پور'، 'قیام پور'، 'کول پور' وغیرہ۔ 'ڑ' کا ارتعاشی استعمال اور اسمائے صفت میں 'ل' کا استعمال جیسے 'ڈراکل' اور 'ڈھڈل' وغیرہ۔ رائے ارتعاشی کی مثالوں کے طور پر 'کرَن'، 'بھرَن' اور 'پورَن' وغیرہ۔ ایسے ہی 'نون' کے ساتھ 'اڑنون' کا استعمال جیسے 'پاݨی' کو دراوڑی اصل کی زبانوں میں 'پاݨی' اور 'راݨا' کو 'راݨا' بولا جاتا ہے۔ پنجابی سندھی اور براہوی کے مصادر میں بھی غالب اشتراک موجود ہے۔ محاورے اور روزمرے میں بھی بہت کچھ مشترک ہے۔ مصادر کی چند مثالوں میں 'کٹن'، 'چپن'، 'سہن'، 'چمبڑن'، 'گٹن'، 'چوپن'، 'چھنڈن'، 'چکھن'، 'چھٹن'، 'چُمن' اور 'ڈکن' وغیرہ کو دیکھیے۔ الفاظ کی بنیادی املاء اور گرائمر میں حروف ایک جیسے ہیں۔ عربی، فارسی اسماء کو ایک طرف بھی رکھ دیا جائے تو بھی بہت سے اسم ایک جیسے ہیں مثلاً 'ہڑب' (داڑھ)، 'رکھ' (درخت)، 'بدھنی' (بلونی)، 'باڑ' (صحرا/جنگل) اور 'بھور' (بھنورا) وغیرہ۔ اسمائے صفات میں 'بھلو/ بھلا'، 'ٹُنٹ/ ٹُنڈ'، 'کُب/ کُبا'، 'گُنٹ/ گُنڈ'، 'کراڑ'، 'ٹھنڈ' اور 'چِٹ' وغیرہ قابل غور مثالیں ہیں۔

'با' بطور عدد اور عددی سابقہ بھی اسی اشتراک کی مثال ہے۔ 'با' کا مطلب ہے 'دو' اور یہ پنجابی 'بارھاں' اور سندھی 'بارھں' (بارہ)، بائی (بائیس)، 'بانوے' اور 'بیا' وغیرہ میں موجود ہے۔ سرائیکی علاقوں میں 'بیا حال' اور 'بئی خیر' میں بھی یہ 'با' موجود ہے۔ شاہ حسین لاہوری کے مصرعے ملاحظہ فرمایے۔

ہک کیڑی، بیا درس بھلیرا   تھر تھر کنبے ایہہ جیا میرا
شوہ گن ونتا، بیا روپ چنگیرا   انگ لائے کہ مول نہ لاسی

ماضی قریب کے شعراء میں سے شاہ لطیف، وارث شاہ، مولوی غلام رسول اور میر علی نواز وغیرہ کے کلام میں سے

مشترک الفاظ کی ایسی مثالیں دستیاب ہیں جن کی حیثیت اس موضوع میں دلیل کی ہے۔

اس موقعے پر یہ حوالہ بے جا نہیں ہوگا کہ 'بر' رشتے کے لیے، 'پیڑھی' نسل کے لیے، 'مُنڈی' سر کے لیے (جیسے مُنڈا: انسانوں میں شمار میں آنے والا)، 'لوہر (یا لوہڑی) لوہار کے لیے اور 'تھوم' لہسن کے لیے، دراوڑی الفاظ ہیں۔ 'جھڑا/ جھڑؤ'، 'کھڑا/ کھڑؤ' اور 'بھیڑا/ بھیڑؤ' وغیرہ میں 'ڑ' کا استعمال دراوڑی اصل کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیوں کہ 'ڑ' کا حرف عربی، فارسی، انگریزی اور دُنیا کی دوسری زبانوں میں موجود نہیں۔

زبانوں کے اشتراک کے مطالعے میں صوتیات، لغات اور صرف و نحو بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس میں اسماء، ضمائر، قواعد گرائمر، مصادر کا اشتراک، افعال کی بناوٹ، تلفظ اور لہجے کی تفصیلات دیکھنا بھی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اگر سماجی زبان دانی (socio linguistics) کو سامنے رکھا جائے تو مشترک ثقافت اور رسوم و رواج بھی اس کی دلیل بنتے ہیں۔ پنجابی، براہوی اور سندھی علاقوں میں زبان کے ساتھ ساتھ مرنے جینے کی رسمیں، شادی بیاہ کے رواج، مسائل اور جھگڑے نمٹانے کے طور طریقے بھی ایک جیسے ہیں جن سے تینوں تہذیبوں اور زبانوں کے اشتراک کی مزید دلیلیں فراہم ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ آنے والے زمانے میں محققین ایسی تخلیقات بھی سامنے لے آئیں جو پنجابی، سندھی اور براہوی کی قدیم صورت میں ہوں اور جغرافیائی لحاظ سے پنجابی، براہوی اور سندھی علاقوں سے دستیاب ہوں۔ شاید آنے والا وقت کبھی ماضی کو دہرائے۔

حوالہ جات وماخذ

۱۔ Indus Valley Civilization ref: Wikipedia, the free encyclopedia dated 6.9.2012

۲۔ تاریخ پنجاب: اکرام علی ملک، سلمان مطبوعات، لاہور ۱۹۹۰ء ص ۹

۳۔ Selected Studies Vol-II (Sunskrit Word Studies): J. Gonda, Leiden 1975 p30

۴۔ عام لسانیات: گیان چند جین، ڈاکٹر، ترقی اردو بیورو، دہلی ۱۹۸۵ء ص ۸۷۵

۵۔ Encyclopaedia Britannica Vol-18, p773

۶۔ United States and India and Pakistan: Norman Brown, Cambridge 1953 p132

۷۔ دردی زبانوں کی تاریخ کا ایک تنقیدی جائزہ: محمد پرویش شاہین مشمولہ سہ ماہی 'ادبیات'، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد شمارہ ۲۷-۳۰ ص ۹۸۳

۸۔ Travels in Baluchistan and Sind: Henry Pottinger, London 1816 pp34-35

۹۔ Journal of the Royal Asiatic Society of Bengal, Calcutta 1938 Vol-7 p12

۱۰۔ Brahvi Dictionary (A part of travelogue): Charles Masson, Calcutta 1943

۱۱۔ Die Brahui and ihr Sprache Vol-V: Christian Lassen, Morgenlandes 1844 p37

۱۲۔ A Comparative Grammer of the Dravidian: Robert Caldwell, Trubner, London 1875 p607

۱۳۔ Handbook of Brahvi Language: Allah Bux Zehri, Karachi 1877

۱۴۔ An Essan on Brahvi Grammer after the German Works of the Late Dr. Trumph of Munich University; Journal of Royal Asiatic Society (new series) Vol-19, 1887

۱۵۔ The Brahvi Language (3 volumes): Denys de S. Brey, 1st Vol, 2nd edition, Quetta 1977

۱۶۔ Siraiki-A Language movement in Pakistan (Thesis of PhD): Ahsan Wagha, London University 1997

۱۷۔ پنجابی براہوی لسانی رشتے: عزیز مینگل، براہوی اکیڈمی، کوئٹہ ۱۹۹۵ء

۱۸۔ Linguistic Survey of India: George Grireson, Vol-1, Part-2 Calcutta 1927 pp118-119 &

Indian Antiquaty Suppliment, Bombay Feberuary 1931 p15

۱۹۔ Epitome of the Brahuiky and Punjabi Languages: Lt. R. Leech: Journal of Asiatic Society of Bengal No.7, June 1838

۲۰۔ The Brahvi Language (Etymological vocabulary): Denys Brey Vol-II part-3, Delhi 1986

۲۱۔ Lehnda Language: U. A. Sumernove, Moscow 1975 p13

۲۲۔ Language and Linguistic area: M. B. Emeneau, California 1980 p155,159

۲۳۔ دردی زبانوں کی تاریخ کا ایک تنقیدی جائزہ: محمد پرویش شاہین مشمولہ ’سہ ماہی ’ادبیات‘، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد شمارہ ۲۷-۳۰ ص ۹۵۸

۲۴۔ پنجاب میں اردو (حصہ اول): حافظ محمود شیرانی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۸۸ء، ص ۱۴۲

۲۵۔ عام لسانیات: گیان چند جین، ڈاکٹر ص ۸۷۴

۲۶۔ Define A Linguistic Area - South Asia: Colin R. Masica, Shicago 1976 p11

۲۷۔ عام لسانیات: گیان چند جین، ڈاکٹر ص ۸۷۵

۲۸۔ اردو زبان کی قدیم تاریخ: عین الحق فرید کوٹی، اورینٹ ریسرچ سنٹر، لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۱۳۲

۲۹۔ ہندوستانی لسانیات: محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، پنج ندا کیڈمی، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۵۹

۳۰۔ An Outline of Indian Philology: John Beams, London p10

۳۱۔ نقوش سلیمانی: سید سلیمان ندوی، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۳۴۷

۳۲۔ سندھی بولی جی تاریخ: بھیرومل مہرچند اڈوانی، سندھی ادبی بورڈ، حیدر آباد ۱۹۵۶ء، ص ۲۳

۳۳۔ Vanishing Voices: Buss Rymer, National Geographic, July 2012 p101

۳۴۔ Special Report on Language and Linguistics: Gregory Anderson & David Harrison, National Sceuience Foundation on www.nsf.gov/news/special_report/liguistics/endangered.jsp

۳۵۔ پنجابی تے سندھی لسانی سانجھ: ناصر رانا مشمولہ شش ماہی ’کھوج‘ شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور مسلسل شمارہ-۳۵، جولائی تا دسمبر ۱۹۹۵ء

۳۶۔ Bengali Language Vol-I: Sunit Kumar Chetterji, London 1970 p8

۳۷۔ عام لسانیات: گیان چند جین، ڈاکٹر ص ۸۶۱

۳۸۔ اردو زبان کی قدیم تاریخ: عین الحق فرید کوٹی، ص ۱۳۶، ۱۳۷

۳۹۔ Grammer of Sindhi Language: Ernest Trump, Asian Educational Services, New Delhi 1886 p9

۴۰۔ Encyclopaedia of Britannica Vol-XVIII p186

۴۱۔ ہندوستانی لسانیات: محی الدین قادری زور، ڈاکٹر ص ۵۷

۴۲۔ عام لسانیات: گیان چند جین، ڈاکٹر ص ۸۶۳